پروفیسر محمود احمد

زرعی مسائل

پاکستان کو جو زرعی مسائل درپیش ہیں ان کا موجودہ زرعی نظام میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کرنے کے بغیر کوئی علاج ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ہی نے ایسا کیا گناہ کیا تھا کہ ہمیں قومی تخلیق کے پانچ سال کے اندر اندر موجودہ نظام کی حدود میں رہتے ہوئے ناقابلِ علاج زرعی مسائل سے سابقہ پڑ گیا ہے۔ سو جواب یہ ہے کہ یہ حال قریب قریب ساری دُنیا کا گذشتہ نصف صدی کے کسی نہ کسی حصّے میں ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ آبادی کا پھیلاؤ ہے جس سے ساری دنیا کی آبادی کے لئے کُل دنیا کی زرعی پیداوار ناکافی ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علم اور سائنس کی ترقی نے یہ چیز بھی بتا دی کہ یہ زرعی پیداوار کئی گنا بڑھائی جا سکتی ہے۔ اور امکانی زرعی پیداوار صرف موجودہ آبادی کے لئے کافی ہو گی۔ بلکہ اس سے دُگنی آبادی کے لئے جہاں تک زرعی فن کا تعلق ہے کھانے پینے کی کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ اس علم کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل نے اسی زمانے میں ایک خاص اہمیّت حاصل کر لی جو اس سے پہلے عالمگیر وسعت کے ساتھ اس تعمق سے نہیں جانچے جاتے تھے۔ اور اگرچہ سماجی خیالات کے کئی گروہ ہیں۔ لیکن اس چیز میں سب متفق ہیں۔ کہ سماجی انصاف سب کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اور جس حد تک زرعی نظام سماجی انصاف کا راستہ روکتا ہے اسے بدل دینا چاہیئے۔

امریکہ کا زرعی نظام۔ مسئلے کے اس پہلو کی شدّت سب ملکوں میں یکساں نہیں ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں وسیع قابلِ کاشت خطے ہیں اور آبادی کا بار ان پر اتنا کم ہے کہ اب بھی ایک اوسط کھیت قریباً ڈیڑھ سو ایکڑ کی وسعت کا ہوتا ہے چنانچہ عام حالات میں وہاں کے اوسط کھیت زرعی سائنس کی ترقیوں سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ لہٰذا باوجود اس چیز کے کہ وہاں پر زمیندار اور مزارع دونوں موجود ہیں عام طور پر ان کا وجود کسی کو نہیں تکلیف دیتا۔ کیونکہ دونوں کے کھانے کے لئے زمین کے وسیع خطے کافی پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہاں بھی یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ زمین کی ترقی یافتہ نشو و نما میں ایک غیر ترقی یافتہ زرعی نظام خاصی بڑی رکاوٹ بن سکتا ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا حقیقتِ زمین کا مقالہ نگار امریکہ کے متعلّق لکھتا ہے کہ گذشتہ دنوں زرعی مسائل کے جائزوں سے جو تین اہم پہلو نظر آئے ہیں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ زمین کا غلط استعمال زرعی نظام سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ تفصیل کے ساتھ امریکہ کی زرعی زمین کے ان وسیع خطوں کا ذکر کرتا ہے، جہاں زمین کے استعمال کے نقائص نمایاں ہو رہے ہیں اور ان کا تعلق زرعی نظام سے واضح کرتا ہے۔ چنانچہ کپاس کے رقبے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ بٹائی کا طریقہ جو خانہ جنگی کے بعد جنوب میں وسعت اختیار کر گیا غریب اور کمزور کاشت کار سے گہرا تعلق رکھتا ہے اڑتالیس

فی صدی کاشتکار مزارع ہیں جن میں سے ایک تہائی ہر سال دوسری زمینوں پر چلے جاتے ہیں اور ایک قلیل حصّہ پانچ سال تک ٹھیرتا ہے تاکہ فصلوں کی ترتیب کا ایک چکّر پورا ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بڑی وسعت سے غیر یقینی، غربت، بیماری اور افلاس پھیلے ہوئے ہیں۔[1]

اِس امر کے باوجود کہ امریکہ کی وسیع رقبوں اور نسبتاً کم آبادی کے پیشِ نظر زرعی مسائل کافی عرصے تک تشویشناک شکل نہیں اختیار کر سکتے۔ وہاں کی حکومت کو بھی پیش بندی کے طور پر عملی اقدام کرنے پڑے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں برکن ہیڈ جونز ایکٹ پاس ہوا۔ جس کے مطابق ایک کروڑ ڈالر کی رقم کانگرس نے کاشتکاروں کو قرض کے طور پر دینی منظور کی۔ تاکہ وہ زمینوں کے ٹکڑے خود خرید سکیں۔ سنہ ۱۹۴۴ء میں مرکزی مقننہ نے دوسری جنگِ عظیم سے واپس آنے والوں کے لئے قرض مہیا کرنا منظور کیا۔ تاکہ ان میں سے جو زراعت کرنا چاہیں انہیں زمین خریدنے کی سہولت مل سکے۔ امریکہ جیسے ملک میں ان قوانین کی موجودگی حیرت انگیز ہے۔ لیکن ان کا مقصد واضح ہے کہ حکومت یہ چاہتی ہے کہ کاشتکار خود زمین کے مالک ہوں تاکہ زرعی عمل بہترین نتائج مرتب کر سکے۔

انگلستان کے زرعی قوانین۔ امریکہ کی طرح انگلستان میں بھی زرعی مسائل وہ شدّت اختیار نہیں کر سکتے۔ جو انہیں ہماری طرح کے قریباً کلیتاً زرعی ملکوں میں حاصل ہے۔ حالانکہ انگلستان میں آبادی بھی کافی گنجان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگلستان کی بیشتر آبادی کا انحصار زراعت پر نہیں۔ بلکہ صنعت و حرفت اور تجارت پر ہے۔ اور زراعت ملک کی ایک قلیل اقلیت (پانچ اعشاریہ تہتّر فی صدی) کو روزگار فراہم کرتی ہے۔ اس کے باوجود وہاں بھی بار بار ایسے قوانین وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جن سے بڑی بڑی جاگیروں پر ٹھیکہ پر کام کرنے والے مزارعین کی جگہ چھوٹے چھوٹے کھیتوں پر مالک مزارع بڑی تعداد میں زرعی کام کرنا شروع کیا۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں چھوٹے کھیتوں کا قانون (SMALL HOLDINS ALLOTMENT ACT) پاس ہوا جس کی رُو سے ضلع کی کونسلوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ بڑے بڑے رقبے حاصل کرکے انھیں چھوٹے کھیتوں کی شکل میں مزارعوں کو ٹھیکہ پر زراعت کے لئے دیں۔ ان کونسلوں کو اختیار دیا گیا۔ کہ اگر وہ مفاہمت سے بڑے کھیت حاصل نہ کر سکیں۔ تو وہ جبراً انھیں لے لیں۔ چنانچہ اسی قانون کے تحت تیرہ ہزار دو سو ستّر کھیت جن کا مجموعی رقبہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار سات سو اٹھتّر ایکڑ بنتا ہے دس سال میں قائم کئے گئے۔ ان کا فی کھیت اوسط رقبہ چودہ ایکڑ بنتا ہے۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں سیٹلمنٹ کا ایک نیا قانون بنایا گیا ( ) جس کے مطابق ضلع کی کونسلوں کو اختیار دیا گیا۔ کہ وہ بڑے کھیت بجائے نقد قیمت کے سالانہ ادائیگیوں کی شکل میں خرید سکتے ہیں۔ تاکہ وہ انھیں متوازن کھیتوں کی شکل میں کاشتکاروں کو دے سکیں۔

اِن قوانین کا نتیجہ اس سے واضح ہے کہ جہاں سنہ ۱۹۱۳ء میں صرف دس اعشاریہ چھ فی صدی کاشتکار زمینوں کے مالک تھے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں ان کی تعداد قریباً دُگنی یعنی بیس فی صدی ہو چکی تھی۔ اور سنہ ۱۹۲۷ء میں وہ چوگنی سے ذرا کم یعنی چھتیس فی صدی ہو چکی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (۱۹۵۰ء)، مقالہ لینڈ ٹینور: اکنامک اینڈ ایگریرین اسپکس۔

تھی۔ گذشتہ ربع صدی میں ان میں مزید اضافہ ہوا ہے لیکن اس کے اعداد و شمار ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ تاہم وہاں زرعی پیداوار کے بڑھانے میں ان مالک کاشتکاروں کا بہت بڑا دخل ہے۔

فرانس کا زرعی نظام۔ انگلستان کے برعکس جہاں اکثر زمین مزارع بڑے بڑے زمین کے مالکوں سے ٹھیکہ پر لے کر کاشت کرتے ہیں۔ فرانس عام طور پر چھوٹے چھوٹے مالک کاشتکاروں کا ملک ہے۔ حکومت کو یہاں اس وجہ سے دخل دینا پڑا۔ کہ کھیت کئی حالتوں میں غیر معاشی حد تک چھوٹے تھے۔ یہاں بھی انگلستان سے فرق بیّن ہے۔ کیونکہ قوانین بڑے اور غیر منظم رقبوں کو چھوٹے معاشی کھیت بناتے ہیں اور یہاں قوانین چھوٹے ٹکڑوں کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کل کھیتوں کی پچہتر فی صدی تعداد اور ساٹھ فی صدی رقبے پر ۱۹۲۹ء میں مالک کاشتکار کام کرتے تھے۔

ہمارے ملک کی طرح وہاں بھی قانونِ وراثت ایک زمین کے ٹکڑے کو کئی وارثوں میں بانٹتا ہے۔ چنانچہ کھیت ہماری طرح دگو ہماری طرح دگو ہماری کا نسبت بہت کم غیر معاشی اور منتشر ہونے شروع ہو گئے۔ چنانچہ ۱۸۶۵ء-۱۹۱۸ء-۱۹۱۹ء-اور ۱۹۲۵ء میں ایسے قوانین بنائے گئے کہ جن سے منتشر کھیتوں کے مالکوں کو اپنے کھیت مجتمع کرنے میں مدد ملے۔ یہ قوانین بے اثر تو نہیں رہے لیکن کلی طور پر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مالک کے مرنے کے بعد کھیت کئی وارثوں میں بٹتا ہے اور انتشار اور تقلیل دوبارہ اپنا سر اٹھا لیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد حکومت نے یہ پہلو اختیار کیا کہ ایک خاص مالیّت سے کم کے کھیت ناقابلِ تقسیم قرار دے دئیے۔

مالک کاشتکاروں کی تعداد کو بڑھانے کی ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۸ء میں ایسے قانون بنائے گئے جن سے زرعی بنک ( ) قائم کیا گیا۔ تاکہ معاشی کھیت بنائے جا سکیں۔ اور ان پر ملک کے کاشتکار آباد ہوں۔

جرمنی کی زرعی اصلاح۔ پہلی جنگِ عظیم سے پہلے مشرقی جرمنی کی زرعی شکل انگلستان سے ملتی جلتی تھی جہاں بڑے بڑے زمیندار تھے۔ جو ٹھیکہ پر کاشتکاروں سے کام لیتے تھے۔ مغربی جرمنی میں پہلے فرانس سے ملتی جلتی صورت تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے کھیت خود کاشت زمینداروں کے پاس تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ کے فوراً بعد حکومت نے بڑے زمینداروں کی بیخ کنی شروع کر دی۔ ۱۹۱۹ء کے قانون ( ) نے حکومت کو وسیع اختیار دئیے۔ کہ وہ بڑی بڑی زمینداریوں کو مناسب معاوضہ پر حاصل کرے۔ اور پھر اس رقبے کو مالک مزارعوں میں تقسیم کر دے۔ اس قانون اور اس قسم کے دیگر اقدامات کی وجہ سے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۳ء تک قریباً پچیس لاکھ ایکڑ زمین حاصل اور تقسیم کی گئی۔ اس زمین کا ۷۷ فی صدی دو سو پچاس ایکڑ سے بڑے رقبوں سے حاصل کیا گیا۔ دس اعشاریہ چار فی صدی ڈھائی سو ایکڑ سے چھوٹے رقبوں سے لیا گیا۔ نو فیصدی قومی اداروں سے حاصل کیا گیا۔ اور تین اعشاریہ چھ فی صدی بنجر اور دلدل زمینوں کی درستی سے حاصل ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں جرمنی میں قابلِ کاشت رقبہ کا قریباً نوّے فی صدی خود کاشت مالکوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور اس کی فی کس زرعی پیداوار دگنی ہو گئی تھی۔ اور یہ اس چیز کے باوجود ہو کہ قوم پر بہت سی دل شکن پابندیاں معاہدہ وارسلیز کے مطابق لگا دی گئی تھیں۔

وراثت کے وقت کھیتوں کو ٹکڑے ہونے سے بچانے کے لئے ۱۸۹۶ء میں ایک قانون بنایا گیا جس کے مطابق صرف بڑے بیٹے کو زمین کی ملکیت کا حق دیا گیا۔ اور باقی وارثوں کو ایک مقررہ بنک ان کے حصّے کی مالیت کے بونڈ دے دیتا تھا۔ ضمانت خود زمین پر ان وارثوں کا حصّہ ہوتا تھا۔ ۱۹۲۳ء کا وراثت کا قانون زیادہ اہم تھا۔ اس کے مطابق ساری زرعی جائداد جس پر ایک کاشتکار کنبہ کا گزارہ ہو سکے، ناقابلِ تقسیم قرار دے دی گئیں۔ اس قانون کا مقصد یہ تھا کہ زمین کے مالک ایک کنبہ کی پرورش کر سکنے والے رقبے کو صرف ایک مستحق وارث کو دے سکیں۔ رقبہ کی مقدار ہر علاقے میں مختلف تھی۔ لیکن عام طور پر وہ اٹھارہ ایکڑ سے کم یا ایک سو پچیس ایکڑ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ جب ایک رقبے کو ایک دفعہ ناقابلِ تقسیم قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد اسے عام طور پر صرف بڑا لڑکا وراثت میں حاصل کر سکتا تھا۔ مالک کو اپنے وارثوں کی ترتیب وار فہرست دینی پڑتی تھی۔ جو لڑکے اور لڑکیاں وراثت نہیں حاصل کر سکتی تھیں، ان کا حق تھا کہ ان کی تعلیم اور شادی کے اخراجات زمین سے پورے کئے جائیں۔ اگر زمین کا اچھا انتظام نہ ہو، تو وہ دوسرے درجے کے وارث کے حوالے کی جاتی تھی۔ اس قسم کے ناقابلِ تقسیم کھیتوں کی تعداد سات لاکھ ہے۔ اور وہ قریب قریب جرمنی کی قابلِ کاشت زمین کے نصف میں پھیلے ہوئے ہیں۔[۱]

مسٹر مسعود نے ہاری کمیٹی نوٹ کے اختلافی نوٹ میں جرمن کاشتکاروں پر ان قوانین کا جو اثر ہوا ہے اس پر ایک انگریز مصنّف کی رائے لکھی ہے "جرمن کاشتکار ہماری طرح نہیں ہیں جو عموماً جس زمین پر کام کریں اس پر کوئی ملکیت نہ رکھیں۔ بلکہ وہ خود مالک ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ شاید دُنیا کے سب سے محنتی کاشتکار ہیں۔ وہ صبح سے لے کر شام تک محنت کرتے ہیں۔ اور محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کے لئے محنت کر رہے ہیں۔ جرمن کاشتکار یہ کڑی محنت اس چیز کے باوجود کرتے ہیں کہ انھیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ہر شخص کا اپنا گھر اور باغیچہ ہے۔ اس کی گزرگاہوں کے کناروں پر بھی درخت لگے ہوئے ہیں۔ جو عام طور پر پھل سے اس قدر لدے ہوتے ہیں کہ اسے ان کی شاخوں کے نیچے سہارے کھڑے کرنے پڑتے ہیں۔ ورنہ درخت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ وہ خود اپنا مالک ہے۔ اور اسے اس کے کنبے کے ہر فرد کو کام کرنے کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ آپ کو اس مسلسل محنت میں نظر آتا ہے۔ جو تمام دُنیا میں اور کسی کے بس کی نہیں ہے۔ اور اس کی معیشت وہ اس سے بھی بُری ہے"[۲]

غربی یورپ کے دیگر ملکوں کی زرعی تنظیم۔ مغربی یورپ کے دیگر ملکوں کی زرعی تنظیم کے اعداد و شمار ۱۹۳۹ء تک کے ملے ہیں۔ اٹلی میں خود کاشت ملکیت کے کھیت قریباً ساٹھ فی صدی ہیں۔ اور چھبیس فی صدی میں کاشتکار عموماً ٹھیکہ پر کام کرتے ہیں۔

بلجیم میں چالیس اعشاریہ نو فی صدی رقبہ خود کاشت ہے۔ اور انسٹھ اعشاریہ ایک فی صدی ٹھیکہ پر کاشتکاروں کے پاس۔

ہالینڈ میں اکاون فی صدی رقبہ خود کاشت ہے۔ اور انچاس فی صدی ٹھیکہ پر۔

---

[۱] سرکنسکی: لینڈ ٹینور سسٹم ان یورپ۔ صفحہ ۲۳

[۲] ولیم ہووٹ: رورل اینڈ ڈومسٹک لائف آف جرمنی (بحوالہ مسعود کا اختلافی نوٹ)۔

سوئیٹزرلینڈ میں اسّی فی صدی رقبہ خود کاشت ہے۔ اور باقی مزاروں کے پاس ہے۔
ڈنمارک میں ستاسی اعشاریہ ایک فی صدی رقبے کے کاشت کرنے والے خود مالک ہیں، اور باقی مزارعوں کے پاس ہے۔
ناروے میں پچاسی اعشاریہ سات فی صدی کھیت مالکوں کے ہیں۔ اور باقی مزارعوں کے۔
سویڈن میں اسّی فی صدی کھیتوں پر خود کاشت مالک کام کرتے ہیں۔ اور بیس فی صدی مزارعوں کے پاس ٹھیکہ پر ہے
ان ملکوں کے زرعی نظام مندرجہ ذیل جدول سے واضح ہیں[۱]:۔

ملک کا نام	خود کاشت	ٹھیکہ مختصر میعاد کا	عمر بھر کا ٹھیکہ	میٹیاگ	کیفیت
اٹلی	۵۹٫۱	۱۴٫۵	-	۱۴	کھیتوں کی فی صدی
بلجیم	۴۰٫۹	۵۹٫۱	-	-	رقبے کی فی صدی
ہالینڈ	۵۱٫۰	۴۹٫۰	-	-	" "
سوئیٹزرلینڈ	۸۰٫۰	۱۷٫۰	۳٫۰	-	" "
ڈنمارک	۸۷٫۱	۴٫۶	۱٫۹	۶٫۴	کھیتوں کی فی صدی
ناروے	۸۵٫۷	۱۴٫۳	-	-	" "
سویڈن	۸۰٫۰	۲۰٫۰	-	-	" "

ان سب میں بلجیم صرف ایسا ملک ہے جس کا خود کاشت رقبہ نصف سے کم ہے۔ باقی ملکوں کے رقبے کی اکثریت خود کاشت مالکوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ رقبے جو مزارعوں کے پاس ہیں، ان میں بھی مزدور کاشت کے نقائص جو ہمارے ہاں عموماً موجود نہیں ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ بٹائی کی بجائے ٹھیکہ کا رواج ہے۔ ٹھیکہ مزارع کو محنت کی طرف اُکساتا ہے۔ اور محنت کا صلہ اس سے نہیں چھنتا۔ بٹائی میں محنت کے ہر لمحہ کا نصف کاشتکار کے نقطہ نظر سے ضائع جاتا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ان ملکوں میں امداد باہمی کے اصول پر وسیع خطوں میں کام کیا جاتا ہے۔ امداد باہمی کی وہاں کئی شکلیں ہیں ایسی انجمنیں بھی ہیں جو سرمایہ، کھاد، بیج وغیرہ مہیا کرتی ہیں۔ اور ایسی بھی جو زمین کی پیداوار کی فروخت کا انتظام کرتی ہیں۔ ایسی بھی ہیں جو زرعی مشینیں اپنے ممبروں کو کرایہ پر مہیا کرتی ہیں۔ اور ایسی بھی ہیں جن میں سب ممبر مل کر سب ممبروں کی زمینوں پر کام کرتے ہیں۔ صرف فصل کاٹنا اپنی اپنی زمین سے ہر ممبر کا اپنا اپنا کام سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسی انجمنیں بھی ہیں جن میں فصل کٹائی بھی مشترک ہوتی ہے۔ امداد باہمی کی وجہ سے وہ زرعی سائنس کی نئی ایجادوں سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ ان ملکوں کا اوسط کھیت بہرحال ہمارے ہاں کے اوسط کھیت سے بڑا ہے۔ انگلستان کے پچپن فی صدی

کھیت بیس ایکڑ سے بڑے ہیں۔ اور اس ملک کا ۹۵ فی صدی رقبہ انھیں کھیتوں پر مشتمل ہے جرمنی کے ستّر فی صدی کھیت پانچ ایکڑ سے بڑے ہیں۔ اور اس کے چھیانوے فی صدی رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔[1] مغربی یورپ کے باقی ملکوں کا حال کم و بیش جرمنی کے مانند ہے۔ ڈنمارک کے اوسط کھیت کا رقبہ چالیس ایکڑ ہے۔ اور سویڈن کے اوسط کھیت کا پچیس[2] ایکڑ۔ اس کے برعکس پاکستان کا اوسط کھیت پانچ ایکڑ کا ہے۔

اپنے زرعی مسائل کے حل کی تلاش میں ہم ایک دو اور بنیادی فرق نہیں بھول سکتے۔ مثلاً ان کے اور ہمارے درمیان تقسیم کے پھیلاؤ کا فرق اور ان کی معاشرت میں ان کے صنعتی ملک ہونے کی وجہ سے زراعت کی نسبتاً بہت کم اہمیت، زراعت ان کی اقلیت کا پیشہ ہے۔ اور ہماری بہت بڑی اکثریت کا۔

ان سب باتوں کی وجہ سے (اور آخری بات کے باوجود) ان کی زرعی پیداوار ہم سے بہت زیادہ ہے، فی ایکڑ بھی اور فی کاشتکار بھی۔ قدرتی طور پر وہ بہتر معیارِ زندگی اختیار کر سکتے ہیں۔ اور خود اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے معاشی خوشحالی کا باعث ہیں۔ ہمارے اور ان کے زرعی نظام کے فرق کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ سوئٹزرلینڈ کے متعلق ایک معاشی ماہر کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہو جاتا ہے:۔

”سوئٹزرلینڈ سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ جب زرعی عمل کرنے والوں کو ان کی محنت کا پھل ملے، تو یہ بہت بڑی آبادی کے لئے بڑی آسائش کا باعث ہوتا ہے۔ اس طرح کے آزاد کام کرنے والے کردار کی آزادی حاصل کر لیتے ہیں۔ اشیائے خورد و نوش کی مانگ بڑھتی ہے۔ تجارت میں ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ اہلِ ملک خوشحال ہوتے ہیں۔ اور یہ سب اس کے باوجود ہو جاتا ہے۔ کہ ملک کی آب و ہوا سخت گیر ہے۔ اس کی زمین معمولی درجے کی زرخیز ہے۔ اس کی دھند دیر تک قائم رہتی ہے۔ اور اس کے موسم اتنے بے وفا ہیں۔ کہ وہ کاشتکار کی امیدوں کا اکثر خون کر دیتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ وہاں کے غریب سے غریب کا لکڑی کے مکان کو بہ نظرِ استحسان نہ دیکھیں۔ اس کی وسعت، اس کی چار دیواری اور اس کے کھدے ہوئے نقش و نگار سب آپ کو متاثر کرتے ہیں۔ اب اندر آئیے، وسیع گیلریاں مختلف کمروں کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں۔ ہر کمرے میں صرف ایک بستر ہوتا ہے۔ اور پردے اور بستر بے انتہا صاف ہوتے ہیں۔ اس کے ارد گرد فرنیچر بڑی احتیاط سے رکھا ہوتا ہے اور کپڑوں کی الماری کپڑوں سے لدی ہوتی ہے۔ شیر خانہ وسیع، ہوادار اور انتہائی صفائی کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی چھت کے تلے اناج، نمک، گوشت، پنیر اور لکڑی کے ذخیرے ہوتے ہیں۔ مال مویشی کے مکان میں آپ کو یورپ میں سب سے زیادہ محنت سے پالے ہوئے جانور ملیں گے۔ باغ میں پھول لگے ہونگے۔ اور مرد ہو یا عورت اس نے صاف اور گرم کپڑے پہنے ہونگے۔

---

[1] سرکنکی: دی لینڈ ٹینور سسٹمز آف یورپ۔ صفحہ ۱۲۔۱۳ و ۲۴

[2] مانا وتی اور اتجاریہ۔ دی انڈین رورل پرابلم۔ صفحہ ۴۰

اور سب کے چہروں پر صحت اور قوت کے نشان[۵] ہونگے"۔

مشرقی یورپ کی زرعی اصلاح ۔ پاکستان کے لئے اس سے زیادہ سبق آموز مشرقی یورپ کے مختلف ملکوں کے زرعی تجربے
ہیں۔ مغربی یورپ سے سوا امداد باہمی کے ذریعے سائنس کے استعمال کے اور کچھ ہمارے حسب حال نہیں ہے۔ اگر وہاں کھیت
بڑے ہیں۔ تو ہم انھیں اپنے ہاں اُن کے برابر نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ ہماری زمین ہی تھوڑی ہے۔ اسی طرح حالات میں اور بہت سے
فرق ہیں۔ جنھیں ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کا انداز ہمارے لئے زیادہ قابلِ قبول نہیں رہتا۔ مشرقی یورپ کے حالات
زرا صلاحالات سے پہلے عام طور پر ہم سے بہت ملتے جُلتے تھے۔ وہی زمیندارہ نظام تھا۔ بٹائی بھی عام تھی۔ صنعتیں بھی نہیں تھیں
اور ملک کی بیشتر آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہی تھی۔ تعلیمی پسماندگی بھی ہم سے ملتی جُلتی ہی تھی۔ لیکن پہلی جنگِ عظیم کے
بعد ان سب ملکوں میں زرعی اصلاحات نافذ کیئے گئے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ بڑے زمینداروں سے زمینیں بہت بڑے پیمانے پر
حاصل کی جائیں اور کاشتکاروں کو ملکیت میں دے دی جائیں۔ اس وجہ سے ان ملکوں کی زرعی پیداوار میں اضافہ بھی ہوا اور
کاشتکاروں کی پسماندگی میں بڑی کمی بھی واقع ہوئی۔ لیکن ترقی کوئی انقلابی نوعیت کی نہیں ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان
ملکوں نے کسی قسم کا اشتراکِ عمل یا امداد باہمی کا اصول کسی بڑے پیمانے پر عام طور پر اختیار نہیں کیا۔ (اس بحث میں ہم روس کے
اقتدار کے بعد کے حالات کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے بھی کہ اس کی تفصیل ابھی تک واضح نہیں کی گئی۔ اور اس وجہ
سے بھی کہ روسی تجربے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہم اگلے باب میں لگا سکیں گے، جب محض اس سے بحث کی جائے گی)

مشرقی یورپ کے تجربے کا سبق ۔ چنانچہ مشرقی یورپ کے ممالک کے زرعی تجربوں میں ہمارے لئے یہ سبق شاید سب سے اہم
ہے کہ محض زمین کی ملکیت بدل دینے سے زرعی آمدنیوں میں کوئی غیر معمولی نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ بڑے نتائج حاصل کرنے کے لئے
ضروری ہے کہ کاشتکاروں کو نئی ملکیت دینے کے بعد ایسے اسباب اور ایسی تنظیم مہیا کی جائے جس کے مطابق وہ زرعی مشینیں، کھاد،
اعلیٰ بیج اور آب پاشی کے وسائل حاصل کر سکیں۔ اور ہر گاؤں کے کاشتکاروں میں وہ اشتراکِ عمل پیدا ہو جس میں چھوٹے اور
بکھرے ہوئے کھیتوں کے مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔ اور سب مل جُل کر اپنے علاقے کی زمینوں کو بہترین مصرف میں لائیں۔ اور ان کی تنظیم
سائنس کی ایجادات سے پورا پورا فائدہ اُٹھا سکے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک زمینداری نظام کی جگہ خود کاشت مزارع عام نہیں ہو جاتے اور
جب تک ملکیت بلا شرکت غیرے اس شخص کی نہ تسلیم کر لی جائے جو زمین میں ہل چلاتا ہے۔ لیکن محض یہ کر لینے سے کوئی جادو ایسا نہیں
ہو جاتا کہ زمین دُگنی یا چوگنی فصل دینا شروع کر دے۔ اس کے لئے بڑی تنظیم، محنت، رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر کہیں
زمین سونا اُگلنا شروع کرتی ہے۔ قدرت اپنے قوانین مومن و کافر سب کے لئے ایک ہی رکھتی ہے۔ زمین کی قوتِ تخلیق سے پورا فائدہ

---

۵ سسمانڈی ان پولٹیکل اکانومی (بحوالہ اخلاقی نوٹ از مسعود صفحہ ۳۹)

اُٹھانے کے لئے زرعی علم ہمیں بہت کچھ سکھاتا، لیکن جب تک یہ علم کاشتکار (خواہ وہ مالک ہی کیوں نہ ہو) تک نہیں پہنچتا اور اسے کوئی تنظیم وہ وسائل مہیا نہیں کرتی جن سے وہ اس علم سے عملی فائدہ اُٹھانے کا اہل ہو سکے، اس وقت تک محض ملکیت بدل دینے سے صرف ایک محدود فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کاشتکار زیادہ دلجمعی سے محنت کرتا ہے اور زمین کی پیداوار میں اس وجہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ فائدہ عام طور پر پچیس سے پچاس فی صدی پیداوار کے اضافے تک محدود رہتا ہے۔ اس کے بعد زرعی علم کے مطابق عملی اقدام، فصلوں کی ترتیب، وافر کھاد، اچھے بیج، فصلوں کی بیماریوں کا انسداد، آب پاشی کے وسائل، پھلوں کی پیداوار، شیر خانوں کا قیام مل جل کر فی ایکڑ اور فی کاشتکار زرعی آمدنی میں کئی گنا اضافہ کرتے ہیں۔

یہ تو ہم پہلے بھی تفصیل سے دیکھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ کاشتکار کو عملاً مالک ماننے کے بغیر ممکن نہیں ہے، یہاں صرف یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ کاشتکار کو مالک ماننے کے بعد کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اور بہت کچھ کرنا باقی رہتا ہے تاکہ کاشتکار کتابوں میں لکھے ہوئے زرعی علم کو لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی شکل میں تبدیل کر سکے۔

بہرحال کاشتکار کو زمین کی ملکیت منتقل کرنا پہلا اہم اقدام ضروری ہے اور چونکہ یہ اقدام بھی خاصا پیچیدہ ہے اس لئے **مشرقی یورپ** کی اصلاحات خاص طور سے محلِ نظر ہیں جنہوں نے اسے بڑے پیمانے پر اپنایا ہے۔

بلغاریہ۔ اس ملک کی زرعی آبادی اناسی فی صدی ہے ۱۹۲۱ء میں اس ملک میں ایسا قانون بنایا گیا جس کے مطابق یہ اُصول تسلیم کیا گیا کہ زمین کی ملکیت کاشتکاروں اور زرعی مزدوروں کی ہونی چاہئے۔ یا ان غربا اور مہاجرین کو ملنی چاہئے، جنھیں زرعی تجربہ حاصل ہو لیکن ان کے پاس ناکافی زمین ہو۔ یا زمین بالکل نہ ہو۔ اس اصول کو عمل میں لانے کے لئے زمینداروں سے پچھتر ایکڑ فی کُنبہ سے زیادہ جو زمین تھی وہ حکومت نے حاصل کر لی۔ البتہ ایسی زمینوں کو مستثنےٰ کر دیا گیا جن میں اعلیٰ درجے کی زراعت (جو نمونہ کہی جا سکے) کی جا رہی ہو۔ اس صورت میں استثنا صرف تین سو پچھتر ایکڑ تک تھی۔ اس سے زیادہ ساری زمین حکومت نے لے لی۔ مالکوں کو زمین کا معاوضہ دینے کا اُصول تسلیم کیا گیا۔ لیکن معاوضہ بڑی زمینوں کے لئے چھوٹی زمینوں کی نسبت کم رکھا گیا۔ اس قانون کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ بلغاریہ میں زرعی بیکاری قریباً ختم ہو گئی ہے۔ اور اب مزارع زرعی آبادی کا صرف ایک فی صدی رہ گئے ہیں۔

ہنگری۔ ہنگری میں بھی ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۰ء میں زرعی اصلاح کے قانون بنائے گئے۔ اور ان کے مطابق زمینداروں سے ان کے لئے خاصی زمین چھوڑنے کے بعد باقی ماندہ رقبہ حکومت نے حاصل کر لیا۔ چار ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین کے مالکوں سے ایک تہائی زمین لے لی گئی۔ اور ڈیڑھ ہزار ایکڑ سے زیادہ کے مالکوں سے ایک چوتھائی لے لی گئی۔ اور ڈیڑھ سو ایکڑ سے زیادہ کے مالکوں سے ایک چوتھائی لے لی گئی۔ پھر ۱۹۳۶ء میں ایک قانون بنا جس میں حکومت کو اختیار دیا گیا کہ وہ ساڑھے چودہ سو ایکڑ کے اوپر کے مالکوں سے اس سے زائد سب زمین حاصل کرے۔ علاوہ ازیں حکومت نے کاشتکاروں کو بسانے کے لئے تمام ملک میں حق شفعہ حاصل کر لیا۔

پولینڈ۔ زار کی حکومت کے زمانے میں زرعی آبادی کا اکتیس فی صدی زمین سے محروم تھا اور زمین کے مالکوں کا نصف فی صدی ملک کی تینتالیس فی صدی زمین کا مالک تھا۔ ۱۹۱۹ء کے بعد ایسے قانون بنائے گئے جن کے مطابق جاگیریں جبرًا خریدی جا سکیں۔

اور ان کے ٹکڑے تقسیم کئے جائیں۔ قانون بعض قسم کی جاگیریں کلی طور پر حاصل کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ اور بعض دوسری قسم کی زمینوں میں ایک مقررہ رقبہ سے اوپر کے حصّے کو حاصل کرنے کا اختیار دیتا تھا۔ ۱۹۲۵ء کے قانون کے مطابق زمینداروں کو صرف ایک زمینداروں کو صرف ایک رعایت دی گئی تھی۔ اور وہ یہ کہ ان کی زمینیں صرف اس صورت میں حاصل کی جائیں گی جب وہ اپنی زمینوں کو مناسب ٹکڑوں میں خود کاشتکاروں کے پاس نہ بیچ دیں۔ زمینداروں کو زمین کا معاوضہ دیا گیا تھا۔ ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہؤا ہے کہ بیاسی فی صدی قابلِ کاشت زمین چھوٹے خود کاشت مالکوں کے پاس ہے اور اس سے زرعی پیداوار میں چودہ سے چوالیس فی صدی تک کا اضافہ ملک کی مختلف فصلوں میں ہؤا ہے۔

زیکوسلو ویکیا۔ پہلی جنگِ عظیم سے پہلے زیکوسلو ویکیا کے زرعی نظام پر بڑے بڑے زمیندار مسلّط تھے۔ اور عام کاشتکار یا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے مالک تھے۔ یا زمین سے محروم تھے۔ بوہیمیا میں اکاسی فی صدی زمین کے مالکوں کے پاس صرف پچیس فی صدی زمین تھی۔ موراویا میں اعشاریہ ایک فی صدی کھیت سوا ایکڑ سے بھی چھوٹے رقبے کے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں آزادی حاصل کرنے کے بعد بڑی بڑی زمینداریوں کی معاوضہ کے ساتھ ضبطی کا قانون بنایا گیا۔ مالکوں کے پاس زرعی زمین کے ۳۷۵۔ ایکڑ رہنے دئے گئے۔ اور غیر زرعی زمین کے ۶۲۵۔ ایکڑ۔ بعض غیر معمولی حالات میں اس سے دُگنا رقبہ بھی زمیندار کے پاس چھوڑا جاسکتا تھا۔ قانون میں یہ شق بھی تھی کہ غیر ملکی زمینداروں کی زمینیں بغیر معاوضہ کے حاصل کی جائیں۔ ایک دوسرے قانون کے مطابق جن جاگیروں کا انتظام اچھا نہ ہو، ان پر بھی قبضہ کیا جاسکتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر زرعی معیشت میں جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ زرعی آمدنی میں اٹھائیس فیصدی کا اضافہ ہؤا۔ حالانکہ زیرِ کاشت رقبہ میں ۹ فی صدی کی کمی ہوئی۔

رومانیہ۔ رومانیہ میں بھی ساڑھے بارہ سوا ایکڑ سے زیادہ کی تمام زمینوں پر حکومت نے قبضہ کرلیا۔ اور خود کاشت کھیتوں کا رقبہ کل رقبے کی آٹھ فی صدی سے بڑھ کر نوّے فی صدی ہوگیا۔

یوگوسلاویہ۔ بلغاریہ میں زرعی اصلاحات سے پہلے بٹائی کا رواج عام تھا۔ زرعی قوانین نے اس کا بڑی حد تک خاتمہ کردیا اور عام طور پر اکثریت خود کاشت کھیتوں کی ہوگئی۔

بالٹک ملک۔ ان سے زیادہ شدید اقدام بالٹک کے ملکوں میں کئے گئے۔ زمین کی غیر منصفانہ تقسیم کو دور کرنے کے لئے ایسٹونیا، لیٹویا اور لتھونیا نے ایسے قوانین بنائے جن سے خود کاشت رقبہ میں بڑا اضافہ ہوسکے۔ ان قوانین سے پہلے اسٹونیا کی آدھی زمین صرف گیارہ سو انچاس زمینداروں کے قبضہ میں تھی۔ اسی طرح آبادی کا ایک فی صدی لیٹویا کی زمین کے اٹھاون فی صدی رقبے پر قابض تھا۔ لتھونیا کی چالیس فی صدی زمین گنتی کے زمینداروں کے ہاتھ میں تھی۔ ان سب ملکوں نے کاشتکاروں کی رہائی کے لئے جرأت مندانہ اقدام کئے۔ انھیں غلامی اور جاگیرداری کے دیگر اثرات سے آزاد کیا۔ اور زمین کی ملکیت اور کاشت کو قریب قریب ایک ہی کر دیا۔ اور قانون میں ایسی گنجائشیں رکھیں کہ پرانا نظام دوبارہ جڑ نہ پکڑ سکے۔ زرعی اصلاحات نے نہ صرف ان ملکوں کے معاشی ڈھانچے کو مضبوط کیا بلکہ زرعی خوشحالی کے لئے ایک نمونے کی بنیاد پیش کی۔ زرعی اصلاحات کے مطابق نئے کھیتوں کے رقبے یہ تجویز ہوئے۔

اسٹونیا میں پچیس سے سوا سو ایکڑ زمین کی زرخیزی کے مطابق لیٹویا میں اوسطاً پچپن ایکڑ اور لتھونیا میں پچیس سے پچاس ایکڑ۔

معاوضہ مقرر کرنے کے مشرقی یورپ کے طریقے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی یورپ کے تمام ملکوں نے خاصے بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات نافذ کی ہیں۔ اور سب کا مقصد یہی تھا کہ زمین کی ملکیت کاشتکار کو منتقل کی جائے۔ اور اس مقصد میں وہ خاصے وسیع پیمانے پر کامیاب ہو۔ ان سب ملکوں نے زرعی زمین کے مالکوں سے ان کی بڑی بڑی زمینیں ایک خاص رقبہ ان کے پاس چھوڑنے کے بعد حاصل کر لیں اور انھیں کاشتکاروں میں منتقل کر دیا۔ معاوضہ قریبًا ہمیشہ دیا گیا۔ لیکن معاوضہ کی مقدار اور ادائیگی کا طریقہ ہر ملک میں مختلف تھا۔

ہنگری اور پولینڈ دونوں نے پورا معاوضہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا، اور اوّل الذکر نے تو دو تہائی معاوضہ نقد ادا کیا اور باقی رقم پچیس قسطوں میں ادا کی۔ جن پر ساڑھے تین فی صدی سود دیا گیا۔ پولینڈ نے بیس فی صدی معاوضہ نقد ادا کیا۔ اور ۸۰ فی صدی حکومت کے تمسکوں کی شکل میں۔

زیکوسلوویکیا نے معاوضہ مقرر کرنے کا یہ اُصول بنایا کہ ڈھائی سو ایکڑ سے بڑے بڑے رقبوں کی جو اوسط قیمت ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۵ء کے درمیان فروختوں میں وصول ہوتی رہی ہے وہ قیمت دی جائے۔ لیکن پہلے ڈھائی سو ایکڑ کی قیمت میں دس فی صدی کی کمی کر دی جائے۔ بشرطیکہ یہ کمی تیس فی صدی سے زیادہ کسی صورت میں نہ ہو، پینتیس فی صدی نقد ادا کیا گیا۔ اور باقی کا معاوضہ ان کے نام پر معاوضہ کے بنک کے رجسٹروں میں جمع کر دیا گیا۔ اس رقم پر سالانہ سُود چار فی صدی ٹھیرایا گیا جس میں سے صرف ½ فی صدی سالانہ کی سالانہ ادائیگی کا حکومت نے یقین دلایا۔

رومانیہ نے معاوضہ زمیندار کی ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان ٹھیکہ کی اوسط آمدنی کا چالیس گنا مقرر کیا۔ اگر زمین چراگاہ قسم کی ہو۔ تو اس کا معاوضہ ٹھیکہ کا بیس گنا مقرر ہوا۔ قیمت کی ادائیگی حکومت کے تمسکوں کی شکل میں ہوئی۔ جن پر پانچ فی صدی سالانہ سُود ادا ہونا تھا۔

یوگوسلاویہ کے دو صوبوں بوسنیہ اور ہرزی گوینا میں معاوضہ کچھ نقد اور کچھ تمسکوں کی شکل میں ادا ہوُا۔ اور باقی صوبوں میں صرف تمسکوں کی شکل میں۔

اسٹونیا میں معاوضہ زمین کی سالانہ پیداوار کا چند گنا مقرر کیا گیا۔ (فی روبل پیداوار کے لئے ساڑھے سات کراؤن دیئے گئے) رقم کی ادائیگی سرکاری تمسکوں کی صورت میں کی گئی، جو پچپن سال کے لئے تھے اور جن پر قریبًا ڈھائی فی صدی سود ادا ہونا تھا۔

لیٹویا میں ایک خاص قانون کے ذریعے زمین کا معاوضہ مشروط قرار دیا گیا۔ اگر کوئی زمیندار قومی تقاضوں کا دشمن ثابت ہو تو اسے کوئی معاوضہ نہیں ادا کیا گیا۔

مشرقی یورپ کے قوانین وراثت میں ترمیم۔ اس بُنیادی زرعی اصلاح کو پائیدار بنانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان نئے کھیتوں کو وراثت کا دستور تقسیم در تقسیم کے چکر میں نہ پھنسا دے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قانونِ وراثت میں ترمیم کی گئی۔

پولینڈ کے سنہ ۱۹۳۶ء کے قانون کے مطابق جو نئے خود کاشت کھیت زمینداریوں کی تنسیخ کے بعد قائم ہوئے تھے ان کی تقسیم حکومت کے متعلقہ اداروں کی اجازت کے بغیر بند کردی گئی۔ ان زمینوں کے علاوہ باقی زرعی جائیداد میں بھی اگر ایک وارث دوسرے وارثوں کو معاوضہ دے کر زمین پر خود کام کرنا چاہے، تو اسے زرعی فنڈ سے معمولی سود پر قرض مل سکتا تھا۔

زیکوسلوویکیا میں زمین کی تقسیم کا قانون بنایا گیا جس نے وراثت کے قانون کو زرعی زمینوں کے لئے بدل دیا۔ اس کے مطابق ایک کنبہ کی زمین ناقابلِ تقسیم قرار دی گئی۔ یہ زمین حکومت کی اجازت کے بغیر نہ بک سکتی تھی۔ اور نہ رہن رکھی جا سکتی تھی۔ اسی طرح کی پابندیاں ان زمینوں پر بھی لگائی گئیں جنھیں زرعی اصلاحات نے زمین کا مالک بنایا تھا۔

رومانیہ میں ۱۹۳۷ء کے قانون کے مطابق پانچ ایکڑ سے کم رقبے قطعًا ناقابلِ تقسیم قرار دے دئے گئے۔

مغربی زرعی تشکیل کا ایک جائزہ۔ مغرب کا زرعی نظام کئی پہلوؤں سے دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک مغربی یورپ کا نظام ہے جس میں یورپ کے متمدّن ترین ملکوں کے علاوہ امریکہ بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا مشرقی یورپ کا زرعی نظام ہے جس کے حالات اور تقاضے نسبتاً زیادہ شدید اقدام چاہتے تھے اور یہ اقدام ان ملکوں نے اختیار کئے۔

مغربی یورپ کے بیشتر ملک صنعتی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ہیں۔ اور ان کی آبادی کی ایک اقلیت ہی زراعت پر گذر اوقات کرتی ہے۔ لہٰذا قومی معاشی سرگرمیاں عام طور پر صنعت اور تجارت کی ترقی کے لئے ہی کوشاں رہتی ہیں۔ اس کے باوجود زراعت کو اُنھوں نے نظر انداز نہیں کیا۔ اور قریب قریب ہر ملک کی کوشش یہ رہی ہے۔ کہ آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ زمین کی ملکیت کاشتکاروں میں منتقل ہوتی جائے۔ اس کوشش میں انگلستان اور امریکہ جیسے ملک بھی شامل ہیں۔ حالانکہ اوّل الذکر میں زرعی پیداوار کل ملک کی دولت کی پیداوار کی ایک حقیر کسر ہے۔ اور مؤخر الذکر کے وسیع رقبے ابھی زرعی مسائل پیدا ہونے سے اسے محفوظ رکھے ہیں۔ لیکن یہ ملک بھی پیش بندی کے طور پر زرعی اصلاح کی اوّلیت زمین کی ملکیت کو کاشتکار میں منتقل کرنے میں ہی دیکھتے ہیں۔ یہی حال مغربی یورپ کے دوسرے ملکوں کا ہے۔

مغربی یورپ کے زرعی نظام کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ امداد باہمی کو اُنھوں نے بڑی ترقی دی ہے۔ اور اچھی زراعت کے جو آلات وہ فرداً فرداً مہیّا نہیں کر سکتے، وہ انھیں مل جل کر مہیّا کر لیتے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ بڑی حد تک وہ تمام فوائد حاصل کر لیتے ہیں، جو مشترک کاشت مہیّا کرتی ہے۔ لیکن امداد باہمی کی اس قسم کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہر جگہ نہیں پائی جاتی لیکن امداد باہمی کی اس قسم کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہر جگہ نہیں پائی جاتی۔ لیکن کم ترقی یافتہ صورتوں میں بھی زرعی پیداوار کو فروخت کرنا اور سرمایہ مہیّا کرنے کا اہتمام عموماً ہو جاتا ہے۔

تیسرا پہلو مغربی یورپ کی زراعت کا یہ ہے کہ وہاں سب سے زیادہ قیمتی فصلیں پیدا کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اور اناج اگانا عام طور پر گھٹیا زراعت کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ خاصے رقبے پر مال مویشی پالے جاتے ہیں۔ اور شیر خانوں کا قیام اچھی زراعت کی جان تصوّر ہوتا ہے۔ یہ چیز ان کے لئے اس وجہ سے ممکن ہے کہ انھیں اناج بہر حال دوسرے ملکوں سے خریدنا ہوتا ہے۔ اور وہ زیادہ

قیمت کی چیزیں دودھ، گوشت، پنیر وغیرہ پیدا کرکے کم قیمت کی چیزیں (مختلف قسم کے اناج) خریدنے کو فائدہ بخش سمجھتے ہیں۔

چوتھی ممتاز چیز مغربی یورپ میں زرعی سائینس کی ایجادات کا وسیع استعمال ہے۔ فصلوں کی ترتیب، اچھے بیج اور وافر کھاد کا نظام وہاں بہت عام ہیں۔

پانچویں چیز جو ان کے نظام کو ہم سے ممیز کرتی ہے وہ بٹائی کی بجائے ٹھیکہ کا طریقہ ہے، جس کی وجہ سے اقدام کی اوّلیت کاشتکار کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

چھٹی چیز ان کے ہماری نسبت اوسطاً بڑے کھیت ہیں، جو کئی ملکوں میں ہم سے کئی کئی گنا بڑے ہیں۔

ان سب خوبیوں کے باوجود من وعن اسی نظام کو ہم قبول نہیں کرسکتے۔ ہمارا نظام بہرحال ہمارے ماحول اور ہمارے حالات سے مناسبت رکھے گا۔ ہمارے کھیتوں کی اوسط بڑی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ہماری آبادی اور رقبہ میں یورپ کے حالات کے مطابق ترمیم ناممکن ہے۔ نہ ہم فوری طور پر اتنی صنعتی ترقی کرسکتے ہیں۔ اور نہ اپنی زمین کو کھینچ کر لمبا کرسکتے ہیں۔ اور جب تک یہ نہ ہو ہمارے ہاں مغربی زراعت کی بہت سی ترقی یافتہ صورتیں محض رقبے کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہو جاتی ہیں۔

البتہ امداد باہمی کی ترقی یافتہ شکل ہم کو ان سے ضرور سیکھنی چاہیئے خصوصًا وہ انتہائی صورت جس میں امداد باہمی کے ڈانڈے مشترک کاشت سے مل جاتے ہیں، ایسا کرنے کے بعد زرعی سائنس کو عملاً اختیار کرنا ہمارے لئے ممکن ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ تنظیم، رہنمائی اور مغربی یورپ کی نسبت بہت بڑے پیمانے پر ہمارے کاشتکاروں کو ملے۔ کیونکہ ہمارے کاشتکار تعلیم میں بہت کم ہونے کے علاوہ حیثیت میں ان سے کہیں زیادہ مدد کے مقتضی ہیں۔

مشرقی یورپ کے زرعی نظام کو ممیز کرنے والی خصوصیت اس کاشتکار کو ملکیت منتقل کرنے پر اصرار ہے۔ اس سمت میں وہ مغربی یورپ سے بھی کئی قدم آگے ہیں (اور مغربی یورپ بھی ہم سے اس سلسلے میں بہتر ہے) مشرقی یورپ کے قریب قریب ہر ملک نے خود کاشت زمین کا رقبہ کل رقبے کا قریباً نوّے فی صدی کرلیا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے تمام بڑی بڑی زمینداریوں پر حکومت کا قبضہ کرنے کے قانون بنائے۔ زمینداروں کو عمومًا معاوضہ تمسکوں کی صورت میں دے دیا، اور زمینوں کی ملکیت کاشتکاروں میں منتقل کردی جن سے زمین کی قیمت سالانہ اقساط میں وصول کی۔ اور اسی رقم سے حکومت کے تمسکوں کی ادائیگی بھی ہوتی رہی۔

دوسرا اہم اقدام مشرقی یورپ کے قانونِ وراثت کی ترمیم ہے جس کے مطابق کھیتوں کو منتشر اور چھوٹا ہونے سے روکا گیا۔

لیکن امداد باہمی کے اصول اور زرعی سائنس کے عملی اقدامات میں وہ مغربی یورپ سے پیچھے رہے جس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کوئی انقلاب انگیز ترقی نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ عوام کی جہالت اور حکومتوں کا اس پہلو کو فروگذاشت کرنا تھا۔ کہ تنظیم اور مدد اور رہنمائی مہیا کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا ملکیت کاشتکار کو منتقل کرنا۔

بہرحال ملکیت منتقل کرنے کی وجہ سے کاشتکاروں کی معاشی حالت میں خاصی اصلاح ہوئی۔ ایک اس وجہ سے کہ زندگی

آمدنی فی ایکڑ قریباً پچیس فی صدی بڑھ گئی۔ اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ زمینداروں کو اب کوئی حصہ ادا نہیں کرنا ہوتا تھا مشرقی یورپ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ملکیت منتقل کرنے کے بعد تنظیم، مدد اور رہنمائی مہیا کرنا ہمیشہ ضروری ہوتا ہے اور ان ملکوں میں ان چیزوں کی ضرورت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں کے کاشتکار تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ ہیں۔ اور مالی اعتبار سے زیادہ سرمایہ مہیا نہ کر سکتے ہوں۔ ان چیزوں کے بغیر محض ملکیت منتقل کرنے سے فوائد بڑے محدود ہو جاتے ہیں۔ ملکیت منتقل کرنے کو اوّلیت ضرور حاصل ہے۔ اور اس بات کو مشرقی اور مغربی یورپ دونوں کے زرعی نظام مانتے ہیں لیکن یہ اولیت اسی طرح کی ہے، جیسے کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اس کی خواہش پیدا کرنا ضروری ہے جب تک خواہش نہ ہو۔ وہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ لیکن محض خواہش کرتے چلے جانا۔ اور اس چیز کو حاصل کرنے کے عملی اقدامات اختیار نہ کرنے سے وہ چیز نہیں مل جاتی!

اسلام کا نظریۂ تاریخ
مصنفہ محمد مظہر الدین صاحب صدیقی
قیمت تین روپے

اسلام میں حیثیتِ نسواں
مصنفہ محمد مظہر الدین صاحب صدیقی
قیمت تین روپے

بیدل
مصنفہ خواجہ عباد اللہ صاحب اختر
قیمت چھ روپے

اسلام کا نظریۂ تعلیم
مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب
قیمت ایک روپیہ

تہذیب و تمدن اسلامی
مصنفہ مولانا رشید اختر ندوی
قیمت حصہ اوّل صہ۔ دوم ۸؍ سوم ۱۲؍

اسلام کا معاشی نظریہ
مصنفہ محمد مظہر الدین صاحب صدیقی
قیمت ایک روپیہ ۸ آنے

ملنے کا پتہ
سکرٹری ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲ کلب روڈ۔ لاہور